Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:10 (1982)

© rasailojaraid.com

جامع قرطبہ

شمیم عباسی

مسجد کو مسلم معاشرے میں ایک اہم اور بنیادی مقام حاصل ہے۔ مسجد دراصل مسلمانوں کا مرکز اجتماع ہے جس میں نماز کے علاوہ تعلیم ۔ تبلیغ ۔ مشاورت ۔ عدالت وغیرہ کے فرائض انجام دیئے جا سکتے ہیں ۔ مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ نے جو امور انجام دیئے ان میں مسجد نبوی کی تعمیر بھی شامل تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم حکمران بھی جب کسی شہر میں داخل ہوتے یا کوئی شہر آباد کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مسجد کی تعمیر کا اہتمام کرتے تھے۔ اور اس مقصد کے لئے پوری فراخدلی کے ساتھ قومی وسائل کام میں لائے جاتے تھے۔ اپنے عروج و ترقی کے دور میں مسلمانوں نے اپنے ذوق جمال کا مظاہرہ سب سے زیادہ مساجد کی آرائش و زیبائش، قرآن کریم کی خطاطی اور جلدوں کی زیب و زینت ہی میں کیا۔ عالم اسلام میں جو مساجد تعمیر کی گئیں ان میں غالباً حسین ترین مسجد جامع قرطبہ ہی ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ مسجد آج بھی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہی وہ مسجد ہے جسکی زیارت کا علامہ اقبال نے پورے ذوق و شوق کے ساتھ اہتمام کیا اور اس سے انتہائی درجہ متاثر ہو کر قرطبہ پر اپنی وہ مشہور نظم لکھی جس کے چند اشعار کا ذکر مختلف مناسب موقعوں پر اس مضمون میں کیا جائے گا۔

جامع قرطبہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے شہر قرطبہ کی طرف منسوب ہے جس میں کہ یہ واقع ہے۔ ایک شے کی دوسری شے کی طرف نسبت چونکہ ان اشیاء کے باہمی ربط و تعلق کی اہمیت کی بنا پر کی جاتی ہے اور منسوب کی جانے والی شے کے تعارف میں مدد دیتی ہے اس لئے مناسب معلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے کہ جامع قرطبہ کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے خود قرطبہ کا مختصر سا تعارف پیش کیا جائے۔

جب ۷۰ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں طارق بن زیاد نے اندلس کو فتح کیا تو پہلے تو اس ملک کا دارالسلطنت اشبیلیہ کو بنایا گیا مگر کچھ عرصہ بعد قرطبہ دارالسلطنت قرار پایا۔ اندلس کے مسلم حکمرانوں نے اس کی توسیع و ترقی میں زبردست حصہ لیا۔

قرطبہ جو سطح سمندر سے ۳۰۰ فٹ کی بلندی پر سیرا مونیا کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں وادی الکبیر کے دونوں جانب واقع ہے۔ رومیوں کے عہد میں معرض وجود میں آیا زمانہ گا تھ میں ایک معمولی قصبہ تھا انہوں نے اسے عالیشان عمارات سے مزین کیا وسیع پیمانے پر اس کی تزئین کا کام عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں ہوا۔ اس پورے علاقے میں دریا کے کنارے قصور و محلات، مکانات، بنگلے، بارہ دریاں۔ مسجدیں۔ حمام۔ باغات اور سیر گاہیں بنوائیں۔ شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل بنوائی جس میں سات دروازے تھے، جو مختلف شہروں کی سمت کھلتے تھے اور انہی کے نام سے موسوم تھے۔ شہر کے باہر جو مضافات تھے وہ مدینۃ الزہرا سمیت ۲۸ حصوں پر مشتمل تھے۔ ہر حصے کے کوچے، بازار، مسجدیں اور حمام الگ الگ تھے۔ سڑکیں اور گلیاں پختہ تھیں۔ روشنی اور صفائی کے نگران مقرر تھے۔ روشنیوں کا انتظام اتنے دور دراز علاقوں تک کیا گیا تھا کہ ایک مسافر مسلسل ۱۰ میل تک چراغوں کی روشنی میں سفر کر سکتا تھا۔ قرطبہ کی روشنیوں کے پیش نظر اہل یورپ نے اس کا نام روشنیوں کا شہر رکھ دیا تھا۔ جس دور میں قرطبہ اس قدر ترقی یافتہ تھا یورپ کے بقیہ تمام ممالک انتہائی پسماندہ تھے اور اہل یورپ میں شہروں کی صفائی اور روشنی وغیرہ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

قرطبہ میں آب رسانی کا اعلیٰ نظام قائم تھا ہر کوچہ و بازار میں جست کے نلکوں کے ذریعے پانی پہنچتا تھا۔ اس شہر کا معمولی سے معمولی گھر بھی پائیں باغ، نہر اور فوارے سے مزین تھا۔ امراء کے مکانات سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں کے تھے جو فن تعمیر کے بہترین نمونے اور شان و شوکت میں اپنی مثال آپ تھے۔ شہر میں مسجدیں، حمام، کتب خانے، شفا خانے، سرائیں، منڈیاں اور گودام موجود تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سڑکوں اور چوراہوں میں اس کثرت سے فوارے بہتے رہتے تھے کہ قرطبہ کو فواروں کا شہر کہا جاسکتا تھا۔

شہر کی خوبصورتی اور عظمت کے بارے میں ایک مغربی مورخ جے بی ٹرینڈ لکھتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ یورپ میں سب سے زیادہ متمدن شہر تھا۔ دنیا بھر کے لوگ اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے، اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے، یہ گویا ریاستہائے بلقان میں ایک دیانا کی مانند تھا۔ شمال کے سیاح اس شہر کا حال سن کر مرعوب ہوتے تھے۔ جب کبھی لیون، نبرہ اور برشاونہ کے حکمرانوں کو کسی ماہر طبیب، کسی سرجن، کسی ماہر تعمیرات، کسی اعلیٰ درجہ کے خیاط یا کسی استاد موسیقی کی ضرورت پیش آتی تو وہ قرطبہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مسلمانوں کی عظمت و شوکت کے اسی یادگار شہر سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے کہا تھا۔

اے حرم قرطبہ عشق ہے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

اس عظیم و حسین شہر قرطبہ کے شایان شان ایک جامع مسجد کی بھی ضرورت تھی، اس ضرورت کو جامع قرطبہ نے پورا کیا۔ ابتداءً یہ مسجد نہ زیادہ وسیع نہیں تھی لیکن قرطبہ کی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مختلف حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً اس کی بالائی منزلیں بنوائیں۔ لیکن بالائی منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ بہت پر پیچ تھا اور نمازیوں کو بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ جب عبدالرحمٰن الداخل نے ۱۳۸ھ/۷۵۵ء میں قرطبہ کو اپنا پایہ تخت بنایا اور حکومت کو بھی استحکام حاصل ہو گیا تو اس نے تعمیرات کی طرف توجہ دی۔ اس کے دل میں مسجد کی وسیع پیمانے پر تعمیر کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے ایک ایسی مسجد کی ضرورت محسوس کی جو اندلس اور اس سے ملحقہ علاقوں کے لئے مرکزِ اجتماع کا کام دے سکے۔ لیکن اس کی توسیع کے لئے زمین کا حصول مشکل تھا۔ وادی الکبیر کے دائیں کنارے پر جہاں یہ مسجد واقع تھی سینٹ ونسنٹ کا بڑا گرجا واقع تھا اور عیسائی اسے اپنی مرضی سے مسلمانوں کے حوالے کرنے پر تیار نہیں تھے، چنانچہ عبدالرحمٰن نے ممتاز عیسائیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بلا کر اس مسئلہ پر بات کی اور اس زمین کو گرجا قدر قیمت پر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کی روا داری کی وجہ سے پختہ یقین تھا کہ وہ گرجا پر زبردستی قبضہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں انہوں نے باہم مشورے سے ایک ایسی صورت نکالی جو ان کے مذہبی نقطہ نظر سے مستحسن تھی۔ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ اگر اس کلیسا کے عوض وہ انہیں قرطبہ اور اس کے گرد و نواح کے تمام مسمار شدہ کلیساؤں کے از سر نو بنانے کی اجازت دے دیں تو وہ اس کلیسا سے دست بردار ہو جائیں گے، عبدالرحمٰن نے یہ شرط منظور کر لی اور تمام کلیساؤں کی دوبارہ تعمیر کی اجازت دے کر اس زمین کو ایک لاکھ دینار سرخ کے عوض خرید لیا۔ اس طرح گرجا مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور ۷۸۰ء/۱۶۴ھ میں اس کی زمین پر جامع قرطبہ کی تعمیر شروع ہو گئی۔ جامع قرطبہ اندلس کی یادگاروں میں ایک اعلیٰ یادگار ہے۔ کاند لکھتا ہے کہ یہ عمارت آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں عبدالرحمٰن نے بنوائی اور یہی عمارت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس مسجد کو بڑے پیمانے پر جامع دمشق جیسی بنائے اور اس میں وہ عجیب آرائش اور گلکاریاں دکھائے جو ہیکل سلیمانی کو بھی جسے رومیوں نے برباد کر دیا تھا مات کر دے۔

امیر عبدالرحمٰن کی وفات ۱۷۲ھ/۷۸۷ء میں ہوئی۔ وفات سے دو سال قبل یہ مسجد شروع کی گئی تھی اور دمشق کے ایک ماہر فن تعمیر نے اس مسجد کا نقشہ تیار کیا تھا۔ اس مسجد کی نہایت وسیع پیمانے پر تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ امیر کی زندگی میں یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا اگرچہ اس کی تکمیل عبدالرحمٰن کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ تاہم اپنی زندگی کے آخری ایام میں امیر نے ایک نماز جمعہ اس نامکمل مسجد میں ادا کی اور اس کے ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔

ان کے بعد ان کے فرزند امیر ہشام نے مسجد کی تعمیر کو بڑے ذوق و شوق سے جاری رکھا اور یہ عبدالرحمان کی وفات کے چھٹے سال ۱۷۷ھ/۷۹۲ء میں مکمل ہوئی۔ مسجد بالکل قلعہ کی سی عمارت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی تعمیر کے لئے سنگ مرمر، سنگ سماق اور زبرجد المریہ اور غرناطہ سے لایا گیا تھا۔ آبنوس صندل، بقم شوحط، حدنگ اور عرعر کی بیش قیمت لکڑیاں دور دراز پہاڑوں کے جنگلات سے لائی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھیں۔ ان درختوں کی لکڑیوں کی یہ خاصیت ہے کہ ان میں دیمک نہیں لگ سکتی۔ اس کے علاوہ مسجد کی تعمیر میں انواع واقسام کے قیمتی پتھر بھی استعمال کئے گئے تھے۔ مسجد سے متصل مغرب کی جانب قصر شاہی تھا جسے عام مسلم مورخین نے دارالامارہ لکھا ہے یہاں سے ایک دروازہ کے ذریعے امیر مسجد میں داخل ہوتا تھا اور مسجد میں آکر محراب کے پاس ہی مقصورہ میں نماز ادا کرتا تھا۔

اس کے بعد آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ مسجد میں توسیع ہوتی رہی اس میں پہلا اضافہ عبدالرحمٰن اوسط نے ۲۲۰ھ/۸۴۴ء میں کیا دوسرا اضافہ امیر الحکم المستنصر باللہ نے ۳۵۰ھ/۹۶۱ء میں اپنی تخت نشینی کے بعد کیا اور آخری بڑا اضافہ امیر ہشام المؤید (۳۶۶ء تا ۳۸۹ھ/۹۷۶ء تا ۹۹۸ء) نے کیا۔

اس کے مسقف حصہ کی لمبائی شرقاً غرباً ۶۲۰ فٹ اور عرض شمالاً جنوباً ۴۴۰ فٹ تھا۔ اگرچہ محققین کے نزدیک مسجد کا صحیح طول وعرض تعین کرنا مشکل کام ہے تاہم مسجد کے مستطیل نقشے سے اس کا طول ۵۷۰ فٹ اور عرض ۴۲۵ فٹ اندازہ کیا جاتا ہے۔ اس کے صحن کی لمبائی شرقاً غرباً ۲۲۳ فٹ اور عرض شمالاً جنوباً ۱۸۴ فٹ تھا۔

مسجد کے ایک جانب باغ تھا جس میں گلاب، چنبیلی مورپنکھی اور انار کے علاوہ کثرت سے نارنگیوں کے درخت لگے ہوئے تھے ایک مضبوط دیوار مسجد کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی جس پر جا بجا خوبصورت برج اور مورچے بنے ہوئے تھے۔ شمال کی جانب فصیل کی بلندی ۳۰ فٹ اور جنوب میں قبلہ کی جانب نشیب کی وجہ سے اس کی بلندی ۷۰ فٹ کے قریب تھی مسجد کی چھت ۱۲۹۳ ستونوں پر قائم تھی، جو مختلف اقسام اور رنگ کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ یہ ستون شطرنجی مربعوں میں نصب تھے اور ہر مربع میں پانچ ستون تھے ان پر ۲۶۰ دھری نعل کی مانند محرابیں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ ان کے کٹاؤ سے لمبائی میں ۱۹ اور چوڑائی میں ۲۹ دالان در دالان بن گئے تھے اور جس رخ سے اس پر نظر ڈالی جاتی تھی ایک جال کی مانند نظر آتا تھا۔ محرابیں پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں اور ان پر کھدائی کرکے مختلف اقسام کے نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ ستونوں پر سونے کی پتریاں لگا کر ان پر قیمتی پتھروں کا جڑاؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کیا گیا تھا۔ اہل عرب اس مسجد کی محرابوں کی خمیدگی کو دیکھ کر نجد و یمن کے نخلستانوں اور وہاں کی کھجوروں کی خمیدگی کو یاد کرتے تھے اور ان جگمگاتے ہوئے ستونوں اور محرابوں کی کثرت بقول ایک یورپین مصنف کے ایک دلفریب نخلستان کا منظر پیش کرتی تھیں کہ جس میں ہزارہا درخت کھڑے ہیں مگر ان کے تنوں اور ژولیدہ شاخوں کو کسی ساحر نے یک لخت پتھر بنا دیا ہے۔

تیری بنا پائیدار تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل (اقبال)

فرش بہت سے رنگوں کے پتھروں سے بنا ہوا تھا اور ان کے درمیان شیشے کے باریک ٹکڑے نصب تھے۔ انہیں اتنے خوبصورت انداز سے ترتیب دیا گیا تھا کہ پہلی نظر میں ہی بہت دلفریب معلوم ہوتے تھے۔ فرش پر نقش و نگار اگرچہ بہت سادگی سے بنائے گئے تھے لیکن نہایت خوشنما اور لطیف تھے۔ فرش سے چھت تک کا فاصلہ ۳۵ فٹ تھا۔

چھت پر لاجورد استعمال کیا گیا تھا اور اس پر سنہری و روپہلی کام کر کے جگہ جگہ سونے اور چاندی سے قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ چھت کہیں شش پہلو، کہیں بیضوی اور کہیں گول تھی۔ ان میں بناوٹ کے لحاظ سے مماثلت ضرور تھی لیکن سجاوٹ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں ان چھتوں پر جھاڑ فانوس لٹکے رہتے تھے، ایک مورخ کے اندازے کے مطابق مسجد میں سونے چاندی اور پیتل کے ۲۸۰ جھاڑ تھے جن میں تقریباً گیارہ ہزار چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ سب سے بڑے جھاڑ میں جس پر سونے کا ملمع تھا اور جو محراب قبلہ کے برج سے لٹکا رہتا تھا ۱۴۵۴ چراغ تھے، اس کا دور ۳۸ فٹ تھا اس کی روشنی کو منعکس کرنے کے لئے چاندی کے چھتیس ہزار چمکدار ٹکڑے بڑی خوبصورتی کے ساتھ سونے کی کیلوں کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔ چونکہ جگہ جگہ آئینے لگے ہوئے تھے اس لئے روشنی اصل سے کئی گنا زیادہ ہو جاتی تھی، چراغوں میں لوبان۔ عود و عنبر اور دیگر خوشبودار اشیاء میں بسایا ہوا تیل جلایا جاتا تھا۔

جنوب کی جانب ایک محراب تھی اس کا رخ قبلہ شریف کی طرف تھا۔ یہ کمرہ ہفت پہلو اور سفید سنگ مرمر کا تھا۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا برج سفید سنگ مرمر کی سالم چٹان کو تراش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمرہ بنایا گیا تھا جو روشنی میں برف کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ اس کمرے کی وسعت ۱۳×۵ فٹ اور چھت کی اونچائی ۲۲ فٹ تھی۔ اس میں داخل ہونے سے پہلے ایک سہ درہ پڑتا تھا جس کے نیچے کے ستون سنگ مرمر اور اوپر کے ستون سنگ لاجورد کے بنے ہوئے تھے برج کے اندر کی گولائی سے لے کر باہر کے ستونوں اور محرابوں تک ہندسی اصولوں سے کام لے کر سنگ تراشی کی گئی تھی اور ان پر بے مثال گلکاری کی گئی تھی فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر جگہ جگہ سونے کا کام تھا۔ دیواروں پر تمام کتبے خالص سونے سے کوفی خط میں لکھے گئے تھے جن کے پھول بوٹے سجاوٹ کا کام دے رہے تھے۔

مسجد میں اذان دینے کی غرض سے ایک مینار تعمیر کیا گیا تھا جو فن تعمیر کا بہترین نمونہ اور اپنی مثال آپ تھا یہ مینار سنگ رخام کا بنا ہوا تھا اور اس کی بلندی ۱۲۷ فٹ اور چوڑائی ۲۷ فٹ تھی۔ ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں اور محرابیں تھیں۔ اس کے اندر دو زینے بنائے گئے تھے جن میں سے ہر ایک میں ۱۰۷ سیڑھیاں تھیں۔ اس میں خصوصیت یہ تھی کہ دونوں زینوں کو استعمال کرنے والے ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ زمین سے پچاس فٹ کی بلندی پر مینار کے چاروں طرف ایک غلام گردش تھی۔ اس پر ستون قائم کر کے ایک برج بنایا گیا تھا۔ مینار کے چاروں طرف بیرونی سطح کو کندہ کر کے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

امیر المومنین اور امراء کے لئے جو جگہ مخصوص تھی اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ محراب والا کمرہ اس کے وسط میں آتا تھا۔ اس کا فرش خالص چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ وہ دروازہ جس سے امیر المومنین اس میں داخل ہوتے تھے خالص سونے کا بنا ہوا تھا اس کی دیواروں پر قیمتی پتھر جڑ کر ان پر باریک میناکاری کا کام سونے سے کیا گیا تھا خوبصورتی کے لئے ایک ستون کی جگہ چار ستون کھڑے کر کے ان پر ایک تاج سا بنا دیا گیا اور اس پر اوپر سے نیچے تک فیروزے جڑ کر سونے سے گلکاری کی گئی تھی۔ اس مقصورے کا طول ۱۳۲ فٹ اور عرض ۲۸ فٹ تھا۔ شاہی مقصورہ کے علاوہ دو اور مقصورے عورتوں کے لئے مخصوص تھے۔

مسجد کا جنوبی حصہ جو وادی الکبیر کی جانب واقع تھا اس میں انیس (۱۹) دروازے تھے جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر باریک کام کی ہوئی کانسی کی مجلّیٰ چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے دو دروازے خواتین کے لیے مخصوص تھے۔

اس عالی شان مسجد میں پانی کا انتظام بھی بہت اعلیٰ تھا نمازیوں کے وضو کے لیے متعدد حوض تھے دو حوض بہت کشادہ اور خوبصورت تھے ان کی خوبصورتی کا راز یہ تھا کہ سنگ مرمر کی دو سالم چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ یہ حوض اب بھی مسجد میں موجود ہیں۔ ان حوضوں میں پانی ایک نہر کے ذریعے پہنچایا جاتا تھا جسے عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں پہاڑوں کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

مسجد کے ساتھ کئی عمارتیں ان علماء اور طلباء کے لئے مخصوص تھیں جو اندلس کے دور دراز علاقوں سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قرطبہ آتے تھے ان کے طعام و قیام کا انتظام شاہی خزانے سے کیا جاتا تھا۔ چونکہ قرطبہ علوم و فنون کا شہر تھا اس لئے یہاں ادیبوں، شاعروں، خطیبوں اور مؤرخوں کے لئے فضا سازگار تھی اور وہاں ان کے لئے ضروری سہولتیں مہیا تھیں۔

تیرھویں صدی میں مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر ہوئی تو عیسائیوں نے اندلس کی سرزمین پر اپنا سکہ جمانا شروع کر دیا۔ ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۵ء میں قرطبہ پر قشتالیہ کے عیسائی بادشاہ فرڈینینڈ ثالث کا قبضہ ہو گیا اور جامع قرطبہ جو تقریباً ساڑھے چار سو سال تک اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ توحید پرستوں کی سجدہ گاہ رہی تھی اب غیر مسلموں کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے جامع کو مسخ کرنے کی خاطر اس میں ایک گرجا تعمیر کیا اور جوش انتقام میں پادریوں نے چھتوں، ستونوں اور جالیوں کو تہس نہس کر ڈالا اور سونے چاندی کے لالچ میں فنی نوادرات اور مقصورہ کو توڑ پھوڑ دیا۔ قیمتی پتھر نکال لئے گئے۔ ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھتے ہیں کہ "اندلس کے عیسائیوں نے جامع قرطبہ کو متبرک بنانے کے لئے اس کے اندر ایک بہت بڑے کلیسا کی تعمیر شروع کی۔ دیواروں کی آرائشوں اور کتبوں پر چونے کی استرکاری کر دی گئی۔ فرش مسجد کی پچی کاری کو ختم کر دیا گیا۔ مسجد میں کندہ کی ہوئی لکڑی فروخت کر دی گئی۔"

عیسائیوں کی وحشت و بربریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سولہویں صدی عیسوی میں مسجد کی چھت کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر اس میں ایک نشیمن بنایا۔ ان معماروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صناعوں نے اپنی دانست میں عربی طرز تعمیر اور صنعت کی برابری کی تھی۔ چنانچہ داد تحسین کی خاطر انہوں نے بادشاہ وقت چارلس پنجم کو بلایا۔ جب بادشاہ اور اس کے حواریوں نے اسے دیکھا تو افسوس کے ساتھ کہا " جو چیز تم نے بنائی وہ دوسری جگہ بھی بن سکتی ہے لیکن جسے تم نے بگاڑا اس کی مثال اب کبھی میسر نہ ہوگی " جامع قرطبہ کی اصلی شان کا نمونہ صرف ایک مصلیٰ محفوظ ہے۔ ایک ہزار سال گزر جانے کے باوجود اس کے نقش ونگار آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی فنی مہارت کا ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں۔

جامع قرطبہ کے بارے میں ایک مغربی مورخ اسکاٹ اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتا ہے " اگرچہ مسجد کو بہت کچھ مسخ کر دیا گیا ہے مگر جو کچھ باقی ہے اس سے ایشیائی شان وشوکت اور رعب و دبدبہ ٹپکتا ہے۔ اور ایک مٹی ہوئی قوم کی تہذیب کی تصویر ہے "۔

لین پول پرجوش الفاظ میں لکھتا ہے " اس مٹی حالت میں بھی جب کوئی سیاح اس کے ستونوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر کسی ہیبت ناک بن کے خود رو درختوں کی طرح ان کو چاروں طرف حد بصر تک پرے باندھے دیکھتا ہے تو حیرت و استعجاب سے خود نقش دیوار ہو جاتا ہے۔ سنگ مرمر زبرجد اور اسحاق کے پھول جو دیواروں پر بنائے گئے تھے ابھی تک گل چینیوں کے ہاتھ سے محفوظ ہیں۔ چمکدار شیشوں کے پھول پتیاں، رنگ برنگ کی خوشنما گلکاریاں، در و دیوار میں ہیروں کی طرح چمک چمک کر حسرت سے وہ متبرک ہاتھ یاد دلا رہی ہیں جو ان کے بنانے کے لئے آئے تھے، اس کی بدیع المثال صناعی، اس کی خوبصورتی اور گول محرابوں کی بناوٹ اور پاکیزگی کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر ابھی ختم ہوئی ہے۔ احاطہ بھی ابھی تک زمانے کی نظر بد سے محفوظ ہے اور چاروں طرف نارنگی کے درختوں نے جو ستونوں کے ساتھ ساتھ چلتے گئے ہیں ان کو اپنے قدرتی دامنوں میں چھپا لیا ہے۔ غرضیکہ اس خانۂ خدا کی دلفریب فضا عالی شان عمارت اور رفعت ہر شوقین سیاح سے بحسرت اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ چند قطرے آنسوؤں کے اس پر بہائیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ان مغربی مورخین کی آرا رہیں جن کے آباد اجداد نے اس مسجد کو جوش انتقام میں تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر بھی اسے صفحۂ ہستی سے مکمل طور پہ نہیں مٹا سکے۔

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام (اقبال)

© rasailojaraid.com